© rasailojaraid.com

آخری قسط

فلسطین، اسرائیل اور سرظفر اللہ خان

پروفیسر مشتاق خان کیانی (لندن)

مگر حقیقت سراسر اس کے برعکس تھی۔ کیوں کہ یہودی خود بخود فلسطین میں قدم نہیں جما رہے تھے بلکہ ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سکیم اور سازش کے تحت ان کو فلسطین میں لاکر آباد کیا جا رہا تھا اور یہودی اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کرنا برطانوی سامراجی پالیسی کا ایک اہم جزو تھا۔ اس پالیسی، سازش اور بین الاقوامی صہیونی دباؤ کے تحت یہودیوں کو زبردستی لاکر فلسطین میں آباد کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ فقط دس سال کے اندر یہودیوں کی فلسطین میں آبادی ایک لاکھ سے بڑھ کر تین لاکھ چالیس ہزار ہوگئی تھی۔ انگریزوں نے فلسطین کے عرب باشندوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فلسطین میں رائے شماری کرائیں گے۔ مگر بعد میں وہ روایتی منافقت سے کام لیتے ہوئے وہ اس وعدہ سے منحرف ہوگئے اور مزید یہ شرط لگائی کہ جب تک فلسطین میں یہودیوں کی اکثریت نہیں ہوگی، رائے شماری بھی نہیں ہوگی۔ چنانچہ مسٹر بالفر (Mr. Balfour) جو کہ وزیر خارجہ تھا اور بدنام زمانہ اعلانیہ بالفر (Balfour) کے مصنف نے وزیر اعظم لائیڈ جارج (Lioyd George) کو خط لکھا اور رائے شماری سے منحرف ہوگئے۔ پروفیسر کیالی (Koyyoli) نے اپنی کتاب تاریخ فلسطین میں اس خط کو نقل کیا ہے۔ میں اس کا ترجمہ یوں پیش کروں گا:

> ”فلسطین کے حوالے سے ہم نے قصداً اور صحیح طور پر استصواب رائے کے اصول کو نظر انداز کیا۔ کیوں کہ موجودہ فلسطینی باشندوں (عربوں) کی رائے اگر معلوم کی جائے تو یہ رائے یقیناً یہودی اقلیت کے خلاف جائے گی۔“

۱۹۲۳ء میں جب لیگ آف نیشنز نے برطانیہ کو فلسطین کا اقتدار (Mandate) دیا تو برطانوی حکومت نے فی الفور اور بلاتاخیر سر ہربرٹ سموئیل (Sir Herbert Samuel) کو فلسطین کا پہلا ہائی کمشنر (گورنر) مقرر کر کے فلسطین بھیجا۔ سر ہربرٹ سموئیل نہ صرف مشہور و معروف یہودی تھے بلکہ وہ ایک نہایت کٹر قسم کے صہیونی (Zionist) متعصب نسل پرست اور تنگ نظر انسان تھے اور جوئیش ایجنسی کے خفیہ طور پر نہ صرف ممبر تھے بلکہ ان کو ہر طرح کے صلاح و مشورہ بھی دیا کرتے تھے۔ اس اہم عہدے پر سر سموئیل کی تقرری عالمی صہیونیت کے لیے خوشخبری کی بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فلسطین اور فلسطین سے باہر کے صہیونی یہودیوں نے خوب خوشیاں منائیں اور گھی کے چراغ جلائے کیوں کہ ان کی دیرینہ خواہشات اور مرادیں پوری ہو رہی تھیں۔ اب سر ہربرٹ سموئیل کے پروگرام کے مطابق دنیا کے گوشے گوشے سے یہودیوں کو جمع کر کے فلسطین لایا جا رہا تھا۔ سر ہربرٹ نے نئے قانون نافذ کیے جن کی رو سے عربوں کی زمین زبردستی ضبط کر کے نئے آنے والے یہودیوں کو الاٹ کیے گئے۔ ان تمام غیر قانونی اور غاصبانہ کارروائیوں کے دو مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ یہودیوں کی آبادی کو فلسطین میں اقلیت سے اکثریت تبدیل کیا جائے اور دوسرا یہ کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کی قیام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اسرائیل) کو ممکن بنایا جائے ۔ ان دومقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی دس ہزار عرب زمینداروں اور کاشت کاروں کو اپنے زمینوں سے بے دخل کیا گیا اور بہت سے کاشت کاروں کو اپنی اراضیات فروخت کرنے پر جبراً مجبور کیا گیا۔ اسی دوران دو دہشت گرد تنظیموں یعنی ارگون (Irgun) اور سٹرن (Stern) کی بنیاد رکھی گئی اور ان دہشت گرد تنظیموں کو مسلح کیا گیا۔ اور ہر طرح کے جدید ہتھیاروں سے لیس کیا گیا۔ ان دونوں دہشت گرد تنظیموں کے سربراہ مسٹر مناخن بیگن اور ڈیوڈ بن گوریان تھے جو بعد میں یکے بعد دیگرے اسرائیل کے وزیر اعظم بن گئے۔ ان دہشت گرد تنظیموں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یہ دہشت گردی اور نسل کشی کے ذریعے فلسطینی عربوں کا قتل عام کیا جائے۔ اور جو عرب بچ جائیں وہ دہشت گردی کے خوف میں ایسا مبتلا ہوں کہ وہ خود بخود فلسطین چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جائیں چنانچہ دار یاسین اور دوسرے ۲۵ گاؤں پر رات کو حملہ کر کے ہزاروں بے گناہ فلسطینی عورتوں اور بچوں کا قتل عام کیا گیا۔ اور جو بچ گئے وہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ سب دھاندلی، قتل و غارت، زمینوں اور مکانوں پر قبضہ برطانوی سرکار کی مرضی اور ایما پر ہو رہا تھا۔

جن کے ایما پہ کیا شیخ نے بندوں کو ہلاک
وہی بندوں کا خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

برطانوی سامراج کے پیدا کیے ہوئے یہ وہ حالات تھے جن کی وجہ سے یہودیوں کو دنیا بھر سے جمع کر کے فلسطین میں لا کر آباد کیا جا رہا تھا اور یہ نئے اور نو وارد یہودی بتدریج نہیں بلکہ یکدم اور اچانک عربوں کے زمینوں پر زبردستی قبضہ کر کے عربوں کو تشدد کے ذریعے بھاگنے پر مجبور کر رہے تھے۔ پروفیسر ایلان پپی (ilan pappe) جو حیفا یونیورسٹی اسرائیل میں تاریخ کے استاد ہیں۔ وہ اپنی کتاب ’’فلسطین کی جدید تاریخ‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’فلسطینیوں کا قتل عام اور ان پر مظالم کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھے۔ بلکہ یہ ایک سوچے سمجھے ماسٹر پلان کے تحت ان پر یہ مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ جن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مستقبل کی نئی یہودی ریاست (اسرائیل) کو جس قدر ممکن ہو سکے فلسطینی عربوں سے پاک وصاف کیا جائے۔ چنانچہ دس لاکھ فلسطینی عربوں کو اپنے گھروں سے زبردستی نکالا گیا۔ (لہٰذا) اسرائیل کی بنیاد دہشت گردی، عسکری طاقت، عربوں اور غیر یہودیوں کے اخراج اور ملک بدری پر رکھی گئی ہے۔‘‘

اب ان تاریخی حالات اور شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے سر ظفر اللہ خان کا تحدیثِ نعمت میں یہ بیان کہ ۱۹۳۴ء تک صہیونیت فلسطین میں اپنے قدم جما چکی تھی اور اس کا اقتدار بڑھتا جا رہا تھا۔ عرب اراضیات بتدریج صہیونی ایجنسی کی ملکیت اور تصرف میں منتقل ہو رہی تھی۔‘‘ کو پڑھئے اور دیکھئے کہ وہ کس نمک حلالی اور وفاداری سے اپنے آقا اور مربی انگریز سرکار اور صہیونیت کو عربوں کے قتل عام سے بری کرتے ہیں اور ان کے انسانیت سوز جرائم پر کس عیاری اور چالاکی سے پردہ ڈالتے جاتے ہیں۔ تا کہ نہ تو انگریز آقا پر کوئی حرف آئے اور نہ ہی صہیونیت موردِ الزام ٹھہرے

مت پوچھ کہ ہم ضبط کی کس راہ سے گزرے
یہ دیکھ کہ تجھ پر کوئی الزام نہ آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرظفراللہ خان کے کٹر صیہونی ہونے کا اس سے بہتر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اس نے صیہونیت کے دفاع اور صیہونیت کے جرائم پر پردہ پوشی کرنے کی کوشش میں تاریخی حالات اور واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا۔ سراسر ظلم اور قتل وغارت، ناانصافی اور انسانیت سوز بربریت کے خلاف یا ان لوگوں کے خلاف جو ان جرائم اور دہشت گردی کے مرتکب اور ذمہ دار تھے۔ مذمت کا ایک لفظ بھی سرظفراللہ خان کے قلم سے نہیں نکلا۔ بلکہ وہ اپنے آقا کے گناہوں پر اس خوبصورتی اور شاطری سے پردہ پوشی کرتے ہیں کہ کہیں آقا اور صیہونیت پر الزام نہ آئے اور ان کی بدنامی نہ ہو۔

احمدیت اور صیہونیت:

احمدیت (قادیانیت) اور صیہونیت (zionism) ایک درخت کے دو شاخ ہیں اور دونوں انگریزوں کے ''خود کاشت پودے'' ہیں۔ لہٰذا دونوں کی آبکاری اور نشو ونما میں انگریز سرکار نے نمایاں کارکردگی کی مثالیں قائم کی تھیں۔ اب بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ سرظفراللہ خان اور سرملک فیروز خان دونوں انگریزوں کے خادم اور وفادار غلام تھے۔ سرظفراللہ کے مذہبی اور عقائدی فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ نیابت فرماں برداری اور خشوع وخضوع سے انگریز، احمدیت اور صیہونیت کی یکساں خدمت کرے۔ سرظفراللہ خان کی خودنوشت ''تحدیثِ نعمت'' کو تصنیف کرنے کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا کہ وہ اس کتاب کے ذریعے انگریز سامراج اور صیہونی بربریت کے جرائم پر پردہ ڈالے اور ان دونوں کو فلسطینیوں کے قتل عام سے بری کرے۔ اس خیالِ خام میں مبتلا ہونا کہ سرظفراللہ مسلمانوں یا فلسطینی عربوں کا دوست تھا۔ یہ محض غلط فہمی، خوش فہمی یا خود فریبی ہے۔

راجہ نصراللہ خان نے اقوامِ متحدہ میں سرظفراللہ خان کی لمبی لمبی تقریروں کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے چونکہ موصوف نے فلسطین کے حق میں بہت سی تقریریں کی تھیں لہٰذا وہ فلسطینی عربوں کے دوست اور خیرخواہ تھے۔

اس میں شک نہیں کہ سرظفراللہ گفتار کے مردِ میدان تھے اور وہ جب بولنے پہ آتے تو بے مقصد اور بے معنی تقریروں کے دریا بہادیتے۔ مگر یہ تمام فصاحت اور گرمیٔ گفتار، یہ شعبدہ بازی اور یہ اداکاری فلسطینیوں کے کس کام آیا؟ کیا ان لمبی لمبی اور بے معنی تقریروں سے اسرائیل کی جارحیت اور دہشت گردی میں کوئی ذرہ بھر بھی کمی آئی؟ اسرائیلی مظالم کے شکار بے بس فلسطینی ان تقریروں کو سن کر صرف یہ کہتے ہیں:

وہی میری کم نصیبی ، وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نَے نوازی

سرظفراللہ خان نے اپنی کمال نَے نوازی اور شعبدہ بازی سے بے چارے فلسطینی عربوں کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا مگر امریکہ کے باج گزار اور تابعدار عرب حکومتوں کے مندوبین کا تو خوب دل بہلایا۔ اسرائیلی مطالعہ اور دہشت گردی سے توجہ ہٹا کر سامراج کے غاصبانہ ہاتھ اور بھی زیادہ مضبوط کیے۔ کوئی دس ہزار سے زیادہ بے گناہ فلسطینی اسرائیلی جیلوں میں چالیس سال سے پڑے تشدد کا شکار ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ان کے گھر، سکول، ہسپتال، کتب خانے مسمار کیے جارہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ بحیثیت قوم اور بحیثیت انسان فلسطینی عربوں کی قدم قدم پر تذلیل کی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ کتوں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ اسرائیلی سپاہی امریکی اسلحہ سے لیس فلسطینی بچوں، عورتوں اور جوانوں کا ایسا شکار کھیلتے ہیں جیسے جنگل میں خطرناک جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ وہ گزشتہ پچاس سال سے غلامی اور بے بسی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور یہ زنجیریں امریکی فوجی اور مالی امداد سے اور ہمسایہ مسلمان حکومتوں کی منافقت اور بے اعتنائی سے اور زیادہ مضبوط ہوتی جا رہی ہیں۔ مگر سر ظفر اللہ خان کے دربار کے ثنا خوان اس بات پر مصر ہیں کہ اُن کے ممدوح کی اقوام متحدہ میں لمبی اور کھوکھلی تقریروں سے فلسطینی مظلوموں کو فائدہ پہنچا ہے۔ کیا ایک شخص جو بھوک اور فاقہ سے جاں بہ لب ہے، اس کا پیٹ لمبی اور میٹھی تقریروں کی لوریوں سے بھر سکتا ہے؟ ہم سر ظفر اللہ خان کی فصاحت کے قائل تو ہیں مگر:

قائل ہوں میں تیری فصاحت کا لیکن
رانجھا کے نصیبوں میں کہاں ہیر کی آواز

جہاں تک تقریروں کا تعلق ہے تو تقریریں اچھی اور معلوماتی بھی ہوتی ہیں اور نہایت جذباتی اور گمراہ کن بھی۔ مگر یہ بھی ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہزاروں عطائی ڈاکٹر، حکیم، شعبدہ باز اور مداری اپنی فصاحت اور زورِ گفتار سے سرِ راہ مجمع لگا کر کئی سادہ لوح راہ گیروں اور تماشبینوں کو چکمہ دے کر اپنی بے کار، فضول اور مضر دوائیاں بیچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

فصاحت میں وہ بھی تو کچھ کم نہیں ہیں
جو مجمع لگا کر دوا بیچتے ہیں

پس اقوامِ متحدہ میں سر ظفر اللہ خان کی تقریریں اُن عطائی حکیموں اور شعبدہ بازوں کی سرِ راہ تقریروں سے مختلف نہیں ہیں۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ اقوامِ متحدہ اپنی افادیت سراسر کھو چکی ہے۔ یہ اب امریکی سامراج اور اس کی وزارت خارجہ کا ایک فعال جزو بن چکی ہے۔ یہ عالمی اور امریکی صہیونیت کی ایک تقریر گاہ اور ایک ڈیبیٹنگ سوسائٹی (Debating Society) بن گئی ہے۔ یہاں وہی کچھ ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے جو امریکی سامراج یا صہیونی طاقتوں کے مرضی کے مطابق ہو۔ رشتوں، بلیک میل اور دھمکیوں کے ذریعے چچا سام نے نہ صرف تمام ممبروں کے ووٹ خریدے ہیں بلکہ ان کے ضمیر بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۸ء سے لے کر آج تک اقوامِ متحدہ نے کشمیر، فلسطین اور اسرائیل کے حوالے سے کوئی ایسی قرارداد پاس نہیں کی جس پر عمل ہوا ہو یا اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے ہوں۔ جنرل اسمبلی نے کوئی ۴۹۲ قراردادیں پاس کیں اور سیکورٹی کونسل نے سو کے قریب قراردادیں پاس کیں۔ مگر اسرائیل نے امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے ان سب قراردادوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور فلسطین پر قبضہ اور مظالم بدستور جاری رکھا اور تیس لاکھ فلسطینیوں کی زندگیوں کو جہنم بنایا۔ اسرائیل نے ظلم اور سفاکی کا بازار اس لیے گرم کر رکھا ہے کہ اس کو امریکہ کی مکمل آشیر باد اور پشت پناہی حاصل ہے۔ فلسطینیوں پر قیامت ڈھانے کے باوجود اسرائیل کو فوجی طور پر اور زیادہ مسلح کیا جا رہا ہے اور فلسطینیوں کے قتلِ عام میں اس کے سب اخراجات بھی ادا کیے جا رہے ہیں۔ اب حال ہی میں امریکہ کی طرف سے اسرائیل کے لیے ۳۰ بلین ڈالر کی مزید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امداد منظور ہوئی ہے تا کہ اسرائیل جب چاہے وہ مشرقِ وسطیٰ کے کسی بھی ملک پر جارحانہ حملہ کرسکتا ہے۔ امریکہ کے ان انسانیت سوز اور انسانیت کے خلاف ان مجرمانہ کارروائیوں کے خلاف کسی بھی مسلمان نے احتجاج نہیں کیا اور نہ ہی کسی طرح سے اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ مگر اس کے برخلاف امریکہ سے دوستی، تابعداری اور غلامی کے رشتے اور زیادہ مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ مسلم ممالک سر ظفر اللہ خان کی طرح اقوام متحدہ میں اور اقوامِ متحدہ سے باہر، اسرائیل کے خلاف اور فلسطینیوں کے حق وحمایت میں بڑی لمبی تقریریں کرتے ہیں مگر عملی طور پر کچھ نہیں کرتے۔ جو ملک عالمِ اسلام اور فلسطینیوں کا دشمن ہے اور اسرائیل کو مہلک ہتھیاروں سے لیس کر کے فلسطینی عربوں پر مظالم ڈھا رہا ہے، اس ملک سے ان کی دوستی کے رشتے اور مضبوط ہو رہے ہیں۔ ان مسلم ممالک کی غلامی، تابعداری اور باج گزاری اب ایک ذلت آمیز سطح پر پہنچ گئی ہے۔ اس وقت ایران کے سوا ایسا کوئی مسلم ملک نہیں جہاں امریکہ کے فوجی یا بحری اڈے نہ ہوں۔ امریکہ سے باہر امریکہ کا سب سے بڑا فوجی اڈہ الیودید (Alyudid) قطر میں ہے، جہاں تین لاکھ امریکی فوجی مستقل طور پر مقیم ہیں۔ جہاں سے افغانستان اور عراق پر حملہ کر کے قبضہ کیا گیا تھا۔ اب اسی اڈہ سے ایران پر حملہ اور جارحیت کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اسی طرح سعودی عرب (دھران) اور کویت میں فوجی، ہوائی اور بحری اڈے ہیں جہاں ایک لاکھ کے قریب امریکی فوجی مقیم ہیں۔

اب ان حالات اور واقعات کے پس منظر میں اگر آپ دیکھیں اور پھر سر ظفر اللہ خان اور دوسرے مسلم لیڈروں کے فلسطین کے حوالے سے بیانات اور تقریروں کا تجزیہ کریں تو آپ کو منافقت اور ریاکاری کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اقوامِ متحدہ کے اندر یا باہر فلسطین کے یہ دوست نما دشمن فلسطین کے حق میں لمبی تقریریں تو کرتے ہیں اور ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے لیکن اندر سے وہ دشمن کے عزائم کے حامی اور فلسطینیوں کے قتل عام میں بلاواسطہ شریک ومعاون ہیں۔ فلسطینی بجا طور پر ایسے دوست نما دشمنوں سے کہہ سکتے ہیں کہ:

تری الفت سے کیا ملا ہم کو
زحمتیں ، ذلتیں اور بدحالی

لہٰذا سر ظفر اللہ خان بھی ایک ایسے ہی دوست نما دشمن تھے جو منافقانہ اور گمراہ کن تقریریں کرنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے اور واشنگٹن کے پالتو شیخوں، شاہوں اور امیروں کے سفیروں میں بہت مقبول تھے اور انھی لوگوں سے اپنی لاحاصل تقریروں کی داد لیتے تھے۔ مرحوم حبیب جالبؔ کے مطابق یہ سب سامراج کے گماشتے ہیں۔ میں یہاں مرحوم کی ایک نظم کے چند اشعار نقل کرنا چاہوں گا:

شیوخ و شاہ کو سمجھو نہ پاسبانِ حرم　　یہ بندگانِ زر و سیم ہیں خدا کی قسم
شیوخ و شاہ تو خود ہیں شریکِ ظلم و ستم　　شیوخ و شاہ سے رکھو نہ کچھ امیدِ کرم
امیر کیسے نہ واشنگٹن کے ساتھ رہیں　　اُنھی کے دم سے ہیں ساری امارتیں ہمدم
یہ مانگتے ہیں دعائیں برائے اسرائیل　　کہ اسرائیل سے ہیں بادشاہتیں قائم
غرض انھیں تو فقط اپنے تاج وتخت سے ہے　　اِنھی شہید فلسطینیوں کیا کیوں ہو غم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر ظفر اللہ خان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی کھوکھلی تقریروں سے نہ تو اسرائیل کا کوئی نقصان ہوگا اور نہ ہی فلسطینی عربوں کی زندگی میں بہتری کی تبدیلی آئے گی۔ نہ اسرائیلی صیہونی مظالم اور سفاکی میں کوئی کمی ہوگی اور نہ ہی فلسطینی غلامی کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑے آزادی کی کرنیں دیکھ سکیں گے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنی گمراہ کن تقریروں سے امید کے جعلی دیئے جلاتے رہے:

باغباں بھی خوش رہے اور راضی رہے صیاد بھی

جب ہمارے ''شیرِ قادیان'' اقوامِ متحدہ میں اپنی مسحور کن تقریروں سے عرب مندوبین کے دل بہلا رہے تھے بعینہٖ اُسی وقت جنرل ایریل شیرون (Ariel Sharon) اپنے فوجی دستہ یونٹ ۱۰۱ کو فلسطینی مہاجر کیمپ قبہ (Qiba) اور بوریج (Bourage) کو مسمار کرنے اور ٹینکوں کے توپوں سے اڑانے کا حکم صادر کر رہے تھے۔ جہاں عرب مندوبین اور سفیر صاحبان سر ظفر اللہ خان کی تقریریں سن کر، سر ہلا ہلا کر واہ واہ کے فلک شگاف نعرے بلند کر کے داد دیتے تھے۔ وہاں جنرل شیرون کے ٹینکوں کی اندھا دھند بمباری سے فلسطینی مہاجر کیمپوں میں عورتیں اور بچے خون میں لہولہان ہو کر ماہیٔ بے آب کی طرح زندگی اور موت کی کشمکش میں تڑپ رہے تھے۔ اُن کی چیخیں آسمان تک جا سکتی تھیں۔ مگر سر ظفر اللہ خان اور ان کے مداح عرب مندوبین تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ کیوں کہ یہ شیوخ و شاہ کے سفیروں کی یہ ''مجلس ستائش باہمی'' سر ظفر اللہ خان کو ان کی تقریروں کی داد دینے میں مصروف تھی:

بگولے ناچتے تھے بھنور میں اور قیس عریاں تھا
یہ کیا تھا فقط لیلیٰ کی دلچسپی کا سامان تھا

ایک طرف تو فلسطین میں انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی تو دوسری طرف لیلیٰ سامراج کی دلچسپی اور تفریحِ طبع کے لیے سر ظفر اللہ خان سحر انگیز تقریروں کا اہتمام کر کے اپنے مداح شیوخ کا دل بہلا رہے تھے۔

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

سر ظفر اللہ خان اور لارنس آف عریبیہ:

کسی بھی جنگ میں خواہ وہ سرد اور اعصابی جنگ ہو یا گرم اور حقیقی جنگ، پروپیگنڈا اور حالات و واقعات کی غلط اور گمراہ کن تشہیر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

جنگِ عظیم اوّل کے دوران جب برطانوی سامراج کو اس بات کی ضرورت پڑی کہ وہ مشرقِ وسطیٰ کے عربوں کو ترکی کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرے تو اس مقصد کے لیے لارنس کو عربی لباس پہنا کر مشرقِ وسطیٰ بھیج دیا گیا تاکہ وہ جاسوسی اور سازش کے ذریعے عربوں کو بغاوت پر آمادہ کرے اور ساتھ ساتھ اس بات کی بھی خوب تشہیر کی گئی کہ لارنس عربوں کا دوست اور خیر خواہ ہے۔ وہ عربوں کو ترکی کے چنگل سے آزاد کرنے کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر عربوں کی آزادی کے لیے لڑ رہا ہے اور عربوں کی جنگ آزادی میں ان کا ہمدرد اور شریک کار ہے اور اُسی دن سے وہ لارنس آف عریبیہ مشہور ہو گیا۔ مگر یہ سب جھوٹ اور محض پروپیگنڈا تھا۔ دراصل عربوں سے نہ تو ان کو کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی وہ عربوں کا دوست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا بلکہ وہ عربوں کو انسان سے کم تر سمجھتا تھا۔ اس سلسلہ میں فلپ نائٹلی کی کتاب ''لارنس آف عریبیہ کی خفیہ زندگی'' سے مندرجہ ذیل اقتباس کا اردو ترجمہ پیش کرنا چاہوں گا:

> ''اب یہ واضح ہے کہ لارنس آف عریبیہ کو عربوں سے بحیثیت قوم نہ تو کوئی جذباتی لگاؤ تھا اور نہ ہی وہ ان کی پروا کرتا تھا۔ وہ عربوں کے مختلف قبائل کو متحد کر کے ایک متحدہ قوم بنانے کے حق میں بالکل نہیں تھا۔ بلکہ وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ برطانیہ کا مفاد اِسی بات میں ہے کہ مشرقِ وسطیٰ متحد نہ ہو بلکہ چھوٹے حصوں میں بٹا رہے۔ وہ عربوں کو آزادی دینے کے حق میں ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ چاہتا تھا کہ عرب ہمیشہ برطانوی سامراج کے تسلط میں رہیں۔ اس نے عربوں سے ان کو آزادی دینے کا (جھوٹا) وعدہ تو ضرور کیا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس طرح عرب ترکی کے خلاف جنگ میں حصہ لیں گے۔ مگر اُن کو شروع سے یقین تھا کہ برطانوی سامراجی پالیسی عربوں کی آزادی دینے کی اجازت کبھی بھی نہ دے گی۔'' (صفحہ ۴)

چنانچہ لارنس آف عریبیہ کو شروع سے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ نہ تو عربوں کا دوست ہے اور نہ ہی ان کو آزادی دلانے کے حق میں ہے۔ مگر اس کے باوجود اس تاثر کو عام کیا گیا کہ وہ عربوں کا دوست اور خیر خواہ ہے۔ لارنس کو یہ بھی شروع سے معلوم تھا کہ برطانوی حکومت کی پالیسی یہ نہیں ہے کہ عرب متحد اور آزاد ہوں۔ بلکہ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بٹ کر برطانیہ کے تسلط اور زیر اثر رہیں۔ مگر لارنس نے کمال بددیانتی، مکر و فریب اور شاطری سے عربوں کو آزادی کا سبز باغ دکھا کر ان کو دھوکہ دیتا رہا اور بیوقوف بناتا رہا:

ملکوں میں ہمیں بانٹا مغرب کی سیاست نے\
فرقوں میں فقیہوں نے ، پیرانِ طریقت نے

لہٰذا سر ظفر اللہ خان اور لارنس آف عریبیہ کی زندگیوں کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ان دونوں میں بہت سی باتیں اور قدریں مشترک نظر آتی ہیں۔ دونوں برطانوی سامراج کے مخبر اور جاسوس تھے۔ وہ سیاسی اور سفارتی رسوم و آداب کے ماہر تھے اور چٹکی بجانے میں دشمن کا دوست اور دوست کا دشمن بننے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ دونوں چرب زبانی اور فصاحت میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ وہ اپنے اصلی جذبات، خیالات اور عقائد کو چھپانے میں بے مثال تھے۔ دونوں برطانوی سامراج کے نہایت وفادار، نمک خوار اور تابعدار خادم تھے اور سامراجی اثر و رسوخ کی توسیع کے علمبردار۔ دونوں نے اپنے آقا کی ہدایت کے مطابق عربوں کو خوب بیوقوف بنایا۔ لارنس نے آزادی کا سبز باغ دکھا کر ان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ سر ظفر اللہ نے اقوامِ متحدہ میں اپنی لمبی تقریروں کی لوریوں سے فلسطینی عربوں کو سلانے کی کوشش کی۔ مگر در پردہ دونوں نے عربوں کے پیٹھ پر چھرے گھونپے اور صیہونی عزائم کو اسرائیل کی صورت میں تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہر ممکن مدد کی۔

انگریز سامراج سے وفاداری، تابعداری اور خدمت گزاری سر ظفر اللہ خان کی نظریاتی اور عقائد کی مجبوری تھی۔ وہ اپنے عقیدے اور مسلک کے تقاضوں کے پیشِ نظر درِ خسروی کی غلامی اور خدمت گزاری پر مجبور تھے۔ کیوں کہ یہ احمدی مذہب کا تقاضا تھا کہ تمام احمدی عقیدت مند انگریز سامراج یا اس کے جانشین امیر کی سامراج کو رحمتِ ایزدی سمجھ کر ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمت کریں۔ یعنی انگریز سے وفاداری اور خدمت اُن کا جزو ایمان تھا۔ ان گزارشات کے ثبوت میں اب ہم ذیل میں احمدی اکابر کی تحریروں سے چند مثالیں پیش کریں گے:

(۱) چنانچہ مسیح قادیاں جناب مرزا غلام احمد صاحب خود فرماتے ہیں:

(الف) ''ہمارا جاں نثار خاندان سرکارِ دولت مدار کا ''خود کاشتہ پودا ہے'' ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا......

(ب) ''میں مہدی ہوں اور برطانوی حکومت میری تلوار۔ ہم احمدیوں کو فتح بغداد سے کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق، عرب یا شام، ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دکھانا چاہتے ہیں۔'' (اخبار ''الفضل''، جلد۶، نمبر۴۲، ۷؍دسمبر ۱۹۱۸ء)

چونکہ احمدی اور سر ظفر اللہ خان دوسرے مسلمانوں کو کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں تو ایسے کافروں (فلسطینی عربوں) سے سر ظفر اللہ کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔

(۲) ''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، کیوں کہ ہمارے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔'' (''انوارِ خلافت''، صفحہ۹، از مرزا بشیر الدین محمود، خلیفہ سوم و پسر مرزا غلام احمد)

فلسطین کے متعلق احمدی اور صیہونی بالکل ہم خیال ہیں اور دونوں کی سوچ اور عقائد یکساں ہیں۔ اسی یکسانیت اور ہم آہنگی کا نتیجہ یہ ہے کہ احمدیوں نے ہمیشہ فلسطین میں صیہونی خیالات اور نظریات کی تائید کی ہے اور ان نظریات کی تکمیل میں صیہونیت کا ہمیشہ ساتھ دیا ہے۔ صیہونیت کا یہ دعویٰ ہے کہ یہودی ۳ ہزار سال پہلے فلسطین میں آباد تھے مگر سیاسی حالات اور انقلابات کی وجہ سے یہودیوں کو وہاں سے نکالا گیا۔ اب ان کا حق ہے کہ وہ آکر اپنے آبائی وطن میں آباد ہوجائیں اور جو فلسطین کے موجودہ باشندے ہیں ان کو فلسطین سے زبردستی نکالا جائے اور ان کی زمینوں اور جائیداد پر قبضہ کیا جائے۔ احمدیوں کا بھی بالکل یہی عقیدہ ہے۔ چونکہ سر ظفر اللہ خان ایک کٹر احمدی تھے تو لامحالہ وہ اس عقیدے کے تابع اور پابند تھے۔

(۳) چنانچہ مرزا محمود احمد (خلیفہ دوم) فرماتے ہیں: ''یہود ضرور اس ملک فلسطین میں آباد ہونے میں کامیاب ہوں گے۔ میں وہاں (فلسطین) کے بڑے بڑے مسلمانوں سے ملا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گے مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے۔ یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔ قرآن شریف کی پیش گوئیوں اور حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور اس ملک میں آباد ہونے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ بعد کے واقعات نے حضور کے الفاظ کی لفظاً لفظاً تصدیق کردی۔'' (''تاریخ احمدیت''، جلد پنجم، صفحہ۴۰۹)

احمدیوں (قادیانیوں) کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی کی تاریخ بہت طویل ہے۔ یہاں تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں مگر میں صرف سرسری ذکر کرتا جاؤں کہ:

(۴) مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں بھرتی ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سید احمد شہیدؒ، اسماعیل شہیدؒ اور دوسرے مجاہدین کے خلاف لڑتا رہا اور ہزارہ اور پشاور کے علاقوں میں مسلمانوں کے قتل عام میں شریک رہا۔ اس مسلم کشی کے عوض زمینیں اور دوسرے جائیداد حاصل کرتا رہا۔

(۵) ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت میں مرزا مرتضیٰ نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور ان کی ہر طرح سے مدد کی۔ چنانچہ ان کے بیٹے مرزا غلام احمد نے فخریہ انداز میں اس مذمت کو اپنی وفاداری کے ثبوت میں پیش کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو کہ اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن کی تاریخ رئیسانِ پنجاب میں ہے اور انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریز کو مدد دی تھی۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکاری انگریزی کی امداد میں دیئے تھے۔'' (''کتاب البریہ''، جلد ۱۳، صفحہ ۱۲)

(۶) مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''مجھ سے سرکار انگریز کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے ۵۰ ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور دوسرے بلادِ اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم احمدیوں کے محسن ہے۔ لہٰذا ہر احمدی کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ اس گورنمنٹ کی سچے دل سے اطاعت کرے اور دل سے اس سرکار کا شکر گزار ہو اور دعا گو رہے۔'' (''ستارۂ قیصر''، صفحہ ۱۱۴)

قارئین کرام! میرے گزشتہ مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب راجہ نصر اللہ نے سر ظفر اللہ خان کے دفاع میں ان کو ایک ''عظیم سپوت اور قائداعظم کا معتمد ساتھی'' قرار دیا ہے۔ میرا یہ پڑھنے کے بعد اگر راجہ صاحب سر ظفر اللہ کو ایک ''عظیم سپوت'' سمجھتے ہیں تو مجھے یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں:

جنھیں جگنو پہ سورج کا گماں ہو
ان اندھی عقل والوں سے گلہ کیا

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں جن کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے، کچھ کے نام تو دورانِ مضمون لکھ چکا ہوں، جو رہ گئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(1) The Middle East Illusion by Noam Chomsky.
(2) Pirates and Emperors, Old+New by Noam Chomsky.
(3) Freedom Next Time by John Pilger.
(4) The Blood Never Dried by John Newsinger.
(5) Empire And Resistance by Tariq Ali.
(6) Impact International (Magazine) August 2003.
(7) The Ethnic Cleansing of Palestine by Prof. Ilan Pappe.
(8) A Brutal Friendship by Said. K. Aburish.

(۹) قادیان سے اسرائیل تک۔ ابو مدثرہ (بشیر احمد)

(۱۰) قادیانی فتنہ اور ملتِ اسلامیہ کا مؤقف از مولانا محمد تقی عثمانی

☆☆☆

© rasailojaraid.com